استقامت

عتیق احمد شفیق بریلوی*

دعوت حق کی پوری تاریخ ابتلاو آزمایش سے پُر ہے، جس نے بھی اس میدان میں قدم رکھا ہے، اسے شدید کشمکش اور سخت ترین حالات سے گزرنا پڑا ہے۔ ابتلاو آزمایش مومن کی زندگی کا ایک ناگزیر مرحلہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا جتنا محبوب ہوگا، وہ اتنے ہی سخت ترین حالات سے دوچار ہوگا۔ استقامت کا یہی مفہوم قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ایک حدیث ہے:

عن سفیان بن عبداللہ الثقفیؓ قال قلت یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا لا اسئل عنہ احداً بعدک قال قل اٰمنت باللہ ثم استقم۔ ﴿صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الایمان: ۶۲۰﴾

"سفیان بن عبداللہ الثقفی سے روایت ہے، انھوں نے کہا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتا دیجیے کہ آپ ﷺ کے بعد مجھے کسی سے دریافت نہ کرنا پڑے۔ فرمایا: "کہو! میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہو۔"

یہ حدیث بہت ہی مختصر ہے لیکن معنیٰ ومفہوم کے لحاظ سے بہت بڑی ہے اور اس کے اندر بڑی جامعیت، وسعت اور گہرائی ہے۔ اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا تعارف اور آخرت کی کامیابی و سرفرازی کو صرف دو الفاظ میں واضح فرمادیا۔ اس حدیث کے مطالعے سے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ دور

رسالت میں لوگ لمبی چوڑی گفتگو سے بچ کر صرف اہم باتوں پر توجہ دیتے تھے۔ مختصر معلومات حاصل کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس لیے کہ وہ آخرت کی کامیابی کے متمنی رہتے تھے۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ سوال کرنے والے نے سوال کس انداز میں کیا ہے کہ مجھے صرف مختصر طور پر اسلام کے بارے میں بتا دیجیے تاکہ وہ مجھے یاد رہ سکے۔ مزید اتنا واضح بھی ہو کہ مجھے کسی اور سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ دوسری طرف اللہ کے رسول نے پوچھنے والے کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے مختصر ترین الفاظ میں اسلام کا تعارف کرا دیا کہ کہو اٰمنت باللہ ﴿اللہ پر ایمان لاؤ﴾ ثم استقم ﴿پھر اس پر جم جاؤ﴾۔

استقامت کے شرعی معنی یہ ہیں کہ انسان جس دین کو برحق سمجھ رہا ہے، اس پر مرتے دم تک قائم و دائم رہے۔ اس کے قیام کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتا رہے اور اس راہ میں آنے والی دشواریوں کو برداشت کرتا رہے۔

عقائد میں استقامت

اسلام میں سب سے بنیادی چیز عقائد کی درستی اور اس پر استقامت ہے۔ ایمان کا شعور اور فہم حاصل کرنا لازم ہے۔ بغیر اس کے استقامت حاصل کرنا ناممکن ہے۔ ایمان زبان سے صرف چند کلمات کی ادائی کا نام نہیں ہے۔ بل کہ اس کے مطابق سیرت و کردار اور نظریات و افکار کو بھی ڈھالنا ضروری ہے۔ اللہ کو خالق، رازق، مالک اور حاکم مان لینا ہی کافی نہیں ہے، اللہ کی جو صفات ہیں ان کا صحیح علم اور ان پر پختہ ایمان و یقین بھی ایمان باللہ کا بنیادی جز ہے۔ اللہ کے حقوق میں سے ایک اہم حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ ﴿نحل:۳۶﴾

"اللہ کی بندگی کرو اور جھوٹے خداؤں سے دور رہو۔"

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيّاً ﴿مریم:۶۵﴾

"وہ رب ہے آسمان و زمین کا اور ان ساری چیزوں کا جو ان کے درمیان ہیں پس تم اس کی بندگی کرو اور اس کی بندگی پر

ثابت قدم رہو۔ کیا ہے کوئی ہستی تمھارے علم میں اس
کے ہم پایہ؟"

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ﴿البینہ:۵﴾

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس
کے لیے خالص کر کے۔"

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هل تدری ماحق الله عزو جل علی العباد؟ قال قلت الله و رسوله اعلم قال فان حق ائله علی العباد ان یعبدوه ولایشرکوا به شیئاً ﴿صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من جاهدنفسه فی طاعة الله ۶۵۰۰﴾

"تم جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض
کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔
آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس
کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو
شریک نہ ٹھہرائیں۔"

کوئی شخص اس وقت تک ایمان کی حلاوت و شیرینی کو محسوس نہیں کر سکتا جب تک کہ اس میں تین خوبیاں نہ پیدا ہو جائیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حتی ان یقذف فی النار احب الیہ ان یرجع الی الکفر بعد اذ انقذه الله ﴿صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الحب فی اللہ ۶۰۴۱﴾ یہاں تک کہ آگ میں ڈال دیا جانا اس کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے بہ نسبت اس کے وہ کفر کی طرف پلٹے۔ انسان کو جو ضابطۂ حیات اللہ نے عطا کیا ہے اور اس کے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی جو حدیں مقرر کی ہیں، وہ ان کا اپنے آپ کو پابند بنالے۔ ایمان باللہ کے تسلیم کرنے کے بعد اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بدلے اللہ نے جو وعدے کئے ہیں ان پر

کامل بھروسا رکھے۔ دراصل یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو اس کے مقصد حیات سے قریب کرتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں موسیٰ کے دور کا واقعہ مذکورہ ہے۔ جب تک جادوگر ایمان کی دولت سے محروم تھے، دنیوی مال ومتاع اور منصب وعہدے کے طلب گار تھے، مگر جب ان کے سامنے حق عیاں ہو کر آگیا اور ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو گیا تو انھوں نے جرأت مندانہ انداز میں اس کا اظہار کیا۔ فرعون کی دھمکی بھی ان کو راہ حق سے نہیں ہٹا سکی۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اس ایمان کی عملی تفسیر ہیں۔ جب سرداران قریش نے نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب پر دباؤ ڈالا اور چاہا کہ ابو طالب اپنے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کو دعوت دین سے روک دیں اور نہ ماننے کی صورت میں اپنی سرپرستی اٹھالیں اور خود چچا ابو طالب نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت محمد ﷺ سے کہا: "اے بھتیجے مجھ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو" تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اعتماد ویقین کے ساتھ فرمایا: "چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اس کام سے نہیں رُک سکتا۔" اسی طرح ہجرت مدینہ کے سفر پر جب آپ ﷺ غارِ ثور میں قیام پزیر تھے اور کفار آپ ﷺ کی تلاش میں غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھی حضرت ابو بکرؓ نے کفار کو دیکھ کر گھبراہٹ کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے بہت اطمینان کے ساتھ فرمایا: "لاتحزن ان اللہ معنا" ﴿توبہ:۴۰﴾ "غم مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

حضرت علیؓ کے ایمان کی استقامت دیکھیے کہ جب حضور ﷺ نے ہجرت مدینہ کا قصد فرمایا اور اسی رات کفار ومشرکین مکہ نے آپ ﷺ کے قتل کے ارادے سے آپ کو گھیر رکھا تھا۔ اس رات حضرت علیؓ آپ ﷺ کے بستر پر سوتے ہیں۔ ﴿تاکہ بعد میں لوگوں کی امانتیں واپس کر کے آپؐ بھی ہجرت فرمائیں﴾ تو وہ اتنی گہری نیند سوتے ہیں کہ کفار یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ غالباً محمد ﴿صلی اللہ علیہ وسلم﴾ ڈر کے مارے باہر نہیں نکل رہے ہیں۔ چناں چہ وہ گھر کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ چادر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو حضور ﷺ کے بستر پر حضرت علیؓ سوئے ہوئے ہیں۔ یہ ایمان باللہ کی مضبوطی اور پختہ یقین اور ایمان میں استقامت ہی تو تھی کہ دشمنوں کے نرغے میں پوری نیند سوئے۔ کمزور ایمان والا اوّلاً ایسے حالات میں اس بستر پر جانے کے لیے ہی تیار نہ ہوتا اور اگر تیار ہو جاتا تو اُسے رات بھر نیند نہ آتی۔

مصائب ومشکلات میں استقامت

مصائب و آلام کے وقت اسلام پر جمنا اور سنگین حالات میں جان کو خطرے میں ڈال کر زندگی گزارنا بھی استقامت ہے۔ وہ ایمان باللہ ہی کی طاقت ہے جو دنیوی مفادات اور نفسانی خواہشوں کے جال میں پھنسنے سے انسان کی حفاظت کرتی ہے۔ سیدنا بلالؓ کو ان کے آقا امیہ بن خلف نے مکہ کے اوباش نوجوانوں کے حوالے کر دیا۔ وہ درندہ صفت جو سیدنا بلالؓ کو مکہ کی پتھریلی اور سخت گرم گھاٹیوں میں گھسیٹتے رہے، بدکلامی کرتے اور مارتے رہے اور اُنھیں مجبور کرتے رہے کہ وہ دین اسلام سے پھر جائیں۔ مگر سیدنا بلالؓ احد، احد ﴿اللہ ایک ہے﴾ کا نعرہ بلند کرتے رہے۔

حضرت سیدنا خباب کو مشرکین مکہ نے آگ کے انگاروں پر لٹا دیا یہاں تک کہ آپؓ کی چربی سے آگ بجھ گئی۔ تو انھوں نے نبی آخر الزماں سے دعا کی درخواست کی تو نبی کریم ﷺ نے انھیں سابقہ داعیان حق کی استقامت کا ذکر فرما کر اطمینان دلایا اور استقامت کی تاکید فرمائی۔

عن خباب بن الارتؓ قال شکونا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو متوسد بردۃ فی فلل الکعبۃ فقلنا الا تستنصر لنا الا تدعوا لنا فقال قد کان من قبلکم یوخذ الرجل فیحضفر لہ فی الارض فیجعل فیہا فی جائ بالمنشائ فیوضع علی راسہ فیجعل نصفین و یمشط بامشاط الحدید مادون لحمہ وعظمہ فما یصدہ ذالک عن دینہ واللہ لیثمن ہذا الامر حتی یسیر الراکب من صعنائ الیٰ حضرموت لایخاف اللہ والذنب علی غنمہ ولکنکم تستعجلون۔

﴿صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام ۳۶۱۲﴾

"حضرت خباب بن ارتؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی دھاری دار چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرکین مکہ کی سختیوں کی شکایت کی اور عرض کیا کہ حضور ﷺ! کیا اب بھی آپ اللہ تعالیٰ

سے ہمارے لیے مدد نہیں مانگیں گے؟ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے
ہمارے لیے دعا نہیں کریں گے؟ کہ وہ ہمیں غلبہ عطا
فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے داعیان حق کا
یہ تھا کہ دعوت الی اللہ کے جرم میں ایک آدمی
کو پکڑ لیا جاتا، زمین میں اس کے لیے گڑھا کھود کر اس کو
اس گڑھے میں کھڑا کیا جاتا، پھر اس کے سر پر آرا
رکھ کر چیرا جاتا اور وہ دو ٹکڑے ہو جاتا اور کسی کے جسم پر لوہے کی
کنگھیاں چلا کر گوشت کو ہڈی سے الگ کر لیا جاتا۔ یہ
سزا بھی انھیں ان کے دین سے نہ روک سکی۔"

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ابو ذر یہ کام اسلام اخفا میں رکھو اور اپنے وطن لوٹ جاؤ اور اپنے قبیلے کو اسلام کی دعوت دو، جب تم ہمارے غلبے کی خبر سنو تو پھر آنا۔ میں نے عرض کیا خدا کی قسم جس نے آنجناب کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ان کے سامنے نہایت بلند آواز سے اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ مسجد حرام میں آئے اور کہا: "اے گروہ قریش! میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ اللہ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔" قریش نے ایک دوسرے سے کہا کہ اٹھو اس مرتد کو پکڑ لو۔ وہ اٹھے اور مجھے اس قدر پیٹا کہ میں مر جاتا اگر عباسؓ آڑے نہ آتے۔ وہ آئے اور مجھ پر جھک پڑے اور ان سے کہا۔ افسوس ہے کہ تم قبیلہ غفار کے آدمی کو بہت بری طرح پیٹ رہے ہو حالاں کہ تم اپنے کاروباری مرکز شام کی طرف جاتے ہوئے قبیلہ غفار سے ہو کر گزرتے ہو۔ یہ سن کر انھوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے دن صبح کو بیت اللہ کے صحن میں جا کر میں نے وہی بات دہرا دی۔ کلمہ شہادت کا اعلان کیا۔ قریش نے کہا اس مرتد کی خبر لو وہ اٹھے اور کل کی طرح انھوں نے مجھے اس قدر مارا کہ میں مرنے کے قریب تھا۔ حضرت عباسؓ نے بیچ بچاؤ کر کے مجھے ان سے چھڑا لیا اور کل کی طرح انھیں ملامت کی۔ بخاری و مسلم

اسلام اور کفر کے درمیان جنگ کے وقت استقامت

جب کفر اپنی پوری قوت سے اسلام کو مٹانے کے درپے ہو اور حق و باطل کا معرکہ گرم ہو جائے تو اس وقت بھی استقامت مطلوب ہے۔ ایسے وقت میں اسلام کی حمایت میں لڑنا لازمی ہے۔ اس موقع پر منہ پھیر لینا، جنگ سے پیٹھ پھیر لینا نہ صرف بزدلی ہے، بل کہ ایمان باللہ کے بھی منافی ہے۔

فتنہ کے وقت استقامت

فتنہ کے وقت بھی استقامت مطلوب ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں فتنے برپا ہوتے رہے ہیں۔ ایسے موقع پر جب کہ فتنہ برپا ہو اسلام پر جمنا اور استقامت کا مظاہرہ کرنا ضروری ہے۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں فتنہ افک سامنے آیا جس کا شکار بعض سادہ لوح مسلمان بھی ہو گئے، جنھیں اس کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن نے اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ oيَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَداً اِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْنَ ﴿النور:۱۶-۱۷﴾

"کیوں نہ اسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان سے نہیں نکالنا چاہیے۔ سبحان اللہ یہ تو ایک بہتان عظیم ہے۔ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے دور میں انکار زکوٰۃ اور ارتداد وغیرہ کا فتنہ اٹھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ سے عثمانؓ کا قصاص لینے کا مطالبہ ہوا جو بعد میں فتنہ کی شکل اختیار کر گیا۔ خوارج کا فتنہ، خلق قرآن کا فتنہ اور اس افلاس کا فتنہ جو انسان کو کفر اور اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کر دے۔ غرض، مختلف طرح کے فتنے انفرادی اور اجتماعی طور سے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ایسے مواقع پر راہ راست اختیار کر کے اس پر قائم رہنا اور استقامت دکھانا ایمان کے لوازم میں سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں سے آگاہ فرماتے ہوئے ان سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

قال ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ میتخلفکم فناظر کیف تعملون فاتقوا الدنیا واتقوا النسائ فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت النسائ

﴿مسلم کتاب الرقاق باب اکثر اہل الجنۃ الفقرائ اھل النسائ النار ﴿۶۹۴۱﴾﴾

"دنیا بڑی شیریں اور رنگین ہے اور اللہ تعالیٰ تمھیں دنیا میں حاکم بنانا چاہتا ہے اور یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیا عمل کرتے ہو۔ دنیا ﴿کی رنگینیوں﴾ سے پرہیز کرو اور عورتوں کے فتنے سے بچو۔ بنی اسرائیل سب سے پہلے عورتوں کے فتنے میں ہی مبتلا ہوئے تھے۔"

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا اور سنوارا اور سجایا ہے کہ انسان کا دل اس کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔ اگر وہ دل کو لگام نہ دے تو وہ اپنے فریضۂ منصبی سے غافل ہو کر اس میں محو ہو جائے۔ انسان کی جسمانی اور جنسی راحت کے لیے عورتوں کو پیدا کیا ہے نیز مختلف انواع واقسام کی نعمتوں سے اس دنیا کو بھر دیا ہے۔ انسانوں کا دل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا لیکن مال وزر، خواہشات وجذبات کے فتنے سے بچنا ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ حکومت واقتدار پانے کے بعد حق پر جمے رہنا بڑی پامردی کا کام ہے۔ عام طور سے اقتدار کے نشے میں مدہوش ہو کر لوگ راہ حق سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں کا فتنہ ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں اس کے ذریعے ہزاروں لوگ گمراہ ہوئے اور بالآخر اپنے مقصد سے دور جا پڑے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں عریانیت واباحیت، بے پردگی، مرد وزن کا اختلاط، گانے بجانے اور ناچنے والوں کی کثرت بے حیائی، فحاشی، ہر چیز کا اشتہار، عورتوں کا کم سے کم ملبوسات میں رہنا نہ صرف یہ کہ اپنے بام عروج کو پہنچ گیا ہے، بل کہ فن اور فیشن بن گیا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن، سنیما اور مخلوط تعلیم نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔

اسی طرح مال ودولت کی چاہت اور حرص انسان کو راہ راست سے بھٹکا دیتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان لکل امۃ فتنۃ وفتنۃ امتی المال۔﴿ترمذی کتاب الزہد باب ماجائ ان فتنۃ ہذہ الامۃ فی المال ۲۳۳۶﴾

"ہر نبی کی امت کسی نہ کسی فتنے میں مبتلا رہی ہے۔ میری امت مال و دولت کے فتنے میں مبتلا ہو گی۔"

آدمی جب ضرورت سے آگے بڑھ کر عیش و عشرت کا خواہاں اور دنیا کے پیچھے سرگرداں ہو جائے کہ آخرت سے یکسر غافل ہو جائے اللہ اور اس کی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کرے۔ بے کسوں، مجبوروں، یتیموں، ضرورت مندوں، قرابت داروں اور عزیزوں کے حقوق سے چشم پوشی کرنے لگے تو اس کا مال فتنہ بن جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں رشتے تار تار ہو جاتے ہیں۔ نفرت کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے فرد کو کبھی اپنی آخرت بنانے کا خیال بھی نہیں آتا ہے اسے قرآن نے یوں کہا ہے:

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ o حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿التکاثر:۲،۱﴾

"تم کو کثرت مال و دولت کی چاہت نے غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تمھاری موت کا وقت آپہنچا"

جب کہ یہی مال اگر صحیح اور حلال طریقے سے کمایا جائے اور لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں تو یہ اس کے درجات کو بلند کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

موجودہ دور میں دہشت گردی بھی ایک فتنہ ہے جو دشمنان اسلام کی سازش کے نتیجے میں مسلم ملت کے پڑھے لکھے، شریف، بے قصور، معصوم نوجوانوں کے خلاف برپا کیا گیا ہے۔ دہشت گردی کے نام پر ایک ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ملت کا دینی شعور ختم ہو جائے۔ اس کے نوجوانوں میں دینی رجحان پروان نہ چڑھ سکے اور شعائر اسلام سے دوری اختیار کر لیں۔ ایسے حالات میں جو نوجوان دین کی طرف مائل ہوں گے، دین کو سمجھیں گے اور اس کو اختیار کر کے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے ان کے لیے آخرت میں کامیابی ہے۔ جو نوجوان حالات سے گھبرا کر بے دینی اختیار کر لیں گے، ظاہر ہے کہ وہ اس فتنے کا شکار ہو جائیں گے۔ جدید

دور کا ایک فتنہ جس کا شکار ایسے مسلم گھرانے ہیں جہاں جدید تعلیم کا عمومی رواج ہے۔ ایسے گھرانوں کی لڑکیاں جنھوں نے غیر اسلامی ماحول میں جدید تعلیم حاصل کی ہے ہے وہ غیر مسلم نوجوانوں سے شادی کر لیتی ہیں۔ اس طرح کے واقعات آئے دن اخبارات میں آتے رہتے ہیں۔

جب فتنہ برپا ہو جاتا ہے تو ظاہری طور سے معاملہ کچھ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن باطنی طور سے کچھ اور ہوتا ہے۔ اگر آدمی گہرائی سے معاملے کا جائزہ نہ لے تو اس کا فتنے میں پڑنا یقینی ہے اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فتنے سے پناہ مانگتے تھے:

اللھم اعوذبک من الجن واعوذبک من اردالی ارزل العمر واعوذبک من فتنۃ الدنیا واعوذبک من عذاب القبر۔ ﴿بخاری کتاب الجہاد والسیر باب میعوذ من الجبن۔ ۲۸۲۲﴾

"اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور پناہ مانگتا ہوں انتہائی بڑھاپے تک لوٹائے جانے سے اور پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے۔"

استقامت حاصل کرنے کے ذرائع

استقامت حاصل کرنے کے مندرجہ ذیل ذرائع ہیں:

۱- نصب العین اور مقصد حیات کا شعور، ۲-اجر آخرت کا یقین، ۳-نماز، ۴-قرآن کریم سے گہرا ربط و تعلق ، ۵-واقعات سلف، ۶-دعائ۔

۱-مقصد حیات کا شعور

حق پر ڈٹنے اور استقلال پیدا کرنے کے لیے سب سے بنیادی چیز مقصد حیات کا شعور ہے، اس کے بغیر استقامت پیدا نہیں ہوتی۔ ایمان لا کر دراصل مومن اللہ سے ایک سودا کرتا ہے اور وہ سودا ہے جان و مال کا، صلاحیتوں کا، ذرائع و وسائل کا، تمناؤں اور آرزوؤں کا، ایمان لا کر آدمی گویا اس بات کی تجدید کرتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس

ہے سب اللہ کا ہے، جو صلاحیتیں، قوتیں اور نعمتیں اس کو حاصل ہیں ان سب کا مالک حقیقی وہی ہے اور جب اس کے اندر یہ شعور پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا، بلکہ امانت دار یا غلام کی طرح اپنی تمام صلاحیتوں، قوتوں، نعمتوں، آرائشوں، تمناؤں و آرزوؤں کا مالک اللہ کو سمجھتا ہے اور اسی کی مرضی کے مطابق ان کا استعمال کرتا ہے۔ اس چیز کا جتنا زیادہ ادراک و شعور ہو گا مومن کے اندر اتنی ہی زیادہ استقامت پیدا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ ﴿التوبہ:۱۱۱﴾ "بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال کے لیے جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔"

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴿البقرہ:۲۰۷﴾

"اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنے کو بیچ ڈالتے ہیں۔"

اجر آخرت کا یقین

دوسری چیز جو انسان کے اندر استقامت و استقلال پیدا کرتی ہے، وہ اجر آخرت کا یقین ہے۔ آخرت پر ایمان لانا ایمان باللہ ہی کا جزو ہے اور ایمان باللہ آخرت کو تسلیم کیے بغیر بے معنی ہو جاتا ہے، آخرت کا یقین و استحضار ہی انسان کو بُرے اعمال سے بچاتا اور نیک اعمال پر آمادہ کرتا ہے، مشکلات و مصائب کی گھاٹیوں کو پار کرنے کا حوصلہ وہی رکھ سکتا ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اس کو اس کی ہر محنت کا اجر مل کر رہے گا اور جس کا عقیدۂ آخرت پختہ اور مضبوط ہوتا ہے، عیش و عشرت اور راحت و آرام کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتا، اس کے نزدیک:

فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿توبہ:۳۸﴾

"آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی پونجی بالکل حقیر ہے"

ایسا آدمی آخرت پر اپنی نگاہ مرکوز رکھتا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى oوَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى o بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا oوَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴿اعلیٰ:۱۴-۱۷﴾

"جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی وہ فلاح پاگیا۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالاں کہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔"

نماز

استقامت کا ایک اہم سرچشمہ نماز ہے۔ نماز دین کا ستون ہے، نماز دین کا مغز اور ایمان کا مظہر ہے، جو نماز کو قائم کرے گا وہ پورے دین کو قائم کرلے جائے گا، جو اس کو ترک کردے گا وہ دین کے دوسرے معاملات کو بدرجۂ اولیٰ ترک کرنے والا ہوگا، نماز کے ذریعہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿اقراء:۱۹﴾ سجدہ کر اور اس سے قریب تر ہو جا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أقرب مايكون العبد من ربه وهو ساجد ﴿مسلم شریف، کتاب الصلاۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود

"بندہ جب سجدے میں ہوتا ہے اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔"

دین پر قائم رہنا، نفسانی خواہشوں سے بچنا، مشکلات و مصائب سے گزرنا، اللہ سے قربت کے نتیجے میں ہی ممکن ہے اور اللہ کا قرب نماز سے حاصل ہوتا ہے، نماز سے انسان کو سکون و راحت نصیب ہوتی ہے اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰ مَنُواْ اسْتَعِيْنُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ اِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِيْن ﴿بقرہ:۱۵۳﴾

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

قرآن کریم سے گہرا ربط و تعلق

استقامت کا ایک اہم ذریعہ قرآن کریم سے گہرا اور مضبوط تعلق ہے۔ قرآن کریم اپنی تعلیمات کو بہترین پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ وہ صرف احکام ہی کی کتاب نہیں، بلکہ احساسات و جذبات کو جھنجھوڑنے والی اور دل پزیر نصیحتوں کے ذخائر رکھنے والی کتاب بھی ہے، جو اس کی آیات کو غور سے سنے اور پڑھے گا اس کے دل میں ایمان کا نور اترے گا، صاحب ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو گا، دل کے امراض دور ہوں گے، شرک، اتباع نفس، حرص و طمع، منصب کی چاہت اور دنیا کی رنگینیوں کی طرف میلان وغیرہ جیسی بیماریوں سے نجات ملے گی۔ قرآن سے تعلق پیدا کرنے سے انسان کے اندر استقامت پیدا ہوتی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ کرامؒ بزرگان دین اور محدثین کی سیرتوں اور سوانح کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب و آلام، مشکلات و شدائد اور فتنوں کے دور میں استقامت پیدا کرنے کا سب سے اہم ذریعہ اللہ کی یہی کتاب تھی۔ ان کا ربط قرآن کریم سے بہت گہرا اور مضبوط تھا، اسی لیے ظاہری اسباب نہ ہونے کے باوجود وہ باطل سے نہیں دبتے تھے۔

واقعات سلف

اللہ کی راہ میں استقامت کے لیے ایک معاون چیز انبیاء علیہ السلام، صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم اور صلحاے امت کی سیرتوں اور سوانح کا مطالعہ ہے۔ کیوں کہ سیرت میں ایسے واقعات زیر مطالعہ آئیں گے جن سے معلوم ہو گا کہ انھوں نے دین کو کیسے سیکھا اور اس پر کیسے عمل کیا، کیا مصائب آئے اور ان کا کس طرح مقابلہ کر کے انھوں نے عزیمت کی راہ اپنائی۔

ان کی سیرتوں میں ایک ولولہ، بہادری، شجاعت اور غلبۂ حق کے لیے جدوجہد کے نادر نمونے نظر آتے ہیں، جن سے رب کی رضا کی تڑپ اور رغبت، تعلق باللہ کی مضبوطی اور روح کی بالیدگی کا وافر سامان ملتا ہے۔ ان کی عزیمت و استقامت کی داستانیں، عمل کے لیے مہمیز کا کام کرتی ہیں، ان حضرات کی سیرتوں کا مطالعہ جو بھی کرے گا ان

سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔ انبیائ اور صلحائ کی زندگیوں کا مطالعہ حصول استقامت کا ایک اہم اور موئثر ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكُلاًّ نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿ھود:۱۲۰﴾

"اور ہم نے رسولوں کی سرگزشتوں میں سے ہر ایک تمھیں سنا رہے ہیں جن سے تمھارے دل کو تقویت دیں اور ان میں تمھارے پاس جو حق آیا ہے مومنوں کے لیے جو نصیحت اور یاد دہانی ہے۔

دعاء

استقامت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ دعا بھی ہے۔ دعا کا انسانی زندگی سے بہت گہرا ربط ہے۔ ایک مومن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ کی توفیق و مدد کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی طاقت و قوت کا سرچشمہ ہے، اللہ ہی حاکم مطلق ہے، ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے، نفع و ضرر کا مالک وہی ہے اور وہی لوگوں کی تقدیر بنانے اور بگاڑنے کا اختیار رکھتا ہے۔ یہ عقیدہ ایک مومن کے رشتے کو اللہ سے مضبوط تر بنائے رکھتا ہے اور ہر طرح کے سرد و گرم حالات میں وہ اسی سے لو لگاتا ہے۔ اسی سے التجائیں اور دعائیں کرتا ہے۔ دعائ مومن کا ایک بہت بڑا سہارا اور ہتھیار ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اس کی توفیق و مدد کے بغیر وہ راہ حق پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی یہی پسند کرتا ہے کہ بندے اس سے دعاء مانگیں۔

**